قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین
کا اجمالی تجزیہ

از: ڈاکٹر اسرار احمد

ترتیب وتدوین: سید برہان علی ـ خالد محمود خضر

سُورۃ الفرُقان

مکّی اور مدنی سورتوں پر مشتمل گروپنگ کے اعتبار سے ہم تیسرے گروپ کا مطالعہ مکمل کر چکے ہیں' جس میں سورۂ یونس سے سورۃ المؤمنون تک چودہ سورتیں مکّی ہیں اور اس کے بعد ایک مدنی سورت سورۃ النور ہے۔ اب سورۃ الفرقان سے چوتھا گروپ شروع ہو رہا ہے' اس میں مسلسل آٹھ مکی سورتیں ہیں اور پھر ایک مدنی سورت سورۃ الاحزاب ہے۔ سورۃ الفرقان ۶ رکوع اور ۷۷ آیات پر مشتمل ہے۔ اس سورۃ میں بار بار لفظ ''تَبٰرَكَ الَّذِیْ'' کی تکرار ہے' یعنی بڑی بابرکت ہے وہ ہستی۔ جس طرح سورۃ النور اور سورۃ الاحزاب کے مضامین میں بڑی مشابہت ہے' جس کی بنا پر ان دونوں سورتوں کو جوڑا قرار دیا جا سکتا ہے' اسی طرح سورۃ الفرقان اور سورۂ بنی اسرائیل کے مضامین میں بھی گہری مشابہت پائی جاتی ہے۔ اس سورت کا مطلع بھی سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف کے بہت مشابہ ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل کا آغاز ہوا تھا: ﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ......﴾ سورۃ الکہف کے آغاز میں ارشاد ہوا: ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ ......﴾ اور سورۃ الفرقان کا آغاز ہو رہا ہے:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرَا ۙ①﴾

''بہت بابرکت ہے وہ ذات جس نے نازل فرمایا اپنے بندے پر فرقان (حق و باطل اور صداقت و کذب کو علیحدہ کر دینے والی شے) تاکہ وہ تمام جہان والوں کے لیے خبردار کر دینے والا بنے''۔

گویا نزولِ قرآن کا مقصد ہے انذار یعنی خبردار کر دینا۔ اور محمد رسول اللہ ﷺ کو پوری نوعِ انسانی کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا ہے: ﴿وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا......﴾ (سبا:۲۸)

﴿الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا﴾ (۲)

''وہ ذات جس کے لیے بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی' جس نے کسی کو اپنا بیٹا یا بیٹی نہیں بنایا اور بادشاہت میں جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی نے ہر شے پیدا کی اور اُس کے لیے ایک اندازہ ٹھہرایا''

اب ذرا اس کا موازنہ کریں سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت سے جو توحید کا ایک عظیم خزانہ ہے:

﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا﴾ (۱۱۱)

''آپ کہہ دیجیے کہ تمام شکر و تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے نہ تو کسی کو بیٹا یا بیٹی بنایا ہے اور نہ بادشاہت میں اس کا کوئی شریک ہے' اور نہ ہی اس سبب سے کہ وہ کمزور ہے کوئی اس کا مددگار ہے' اور اس کی بڑائی بیان کیجیے جیسا کہ اُس کی بڑائی کا حق ہے''۔

پھر سورۂ بنی اسرائیل میں ذکر آیا کہ لوگوں نے حضور ﷺ سے معجزوں کے مطالبے کیے۔ یہاں سورۃ الفرقان کے پہلے رکوع میں قرآن حکیم پر کفار کے اعتراضات بیان ہوئے کہ اسے آپ نے خود ہی گھڑ لیا ہے یا یہ پرانے وقتوں کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں۔ اس کے جواب میں بتایا گیا کہ یہ بڑا ظلم اور سخت جھوٹ ہے جس پر یہ لوگ اتر آئے ہیں' درآں حالیکہ یہ اُس ہستی کا نازل کردہ ہے کہ جو زمین و آسمانوں کے بھید جانتا ہے۔ پھر آپؐ کی ذات پر اعتراضات کیے گئے کہ یہ کیسا رسول ہے جو کھاتا پیتا بھی ہے' بازاروں میں بھی پھرتا ہے اور کاروبار بھی کرتا ہے۔ کیوں نہ کوئی فرشتہ ان کی طرف نازل کیا گیا؟ یا ان پر کوئی خزانہ اتار دیا جاتا یا پھر کوئی ایسا باغ ہی دے دیا جاتا جس سے خود بخود پھل اور میوے ان کو ملتے رہتے اور کوئی معاشی جدوجہد نہ کرنی پڑتی۔ اس کے جواب میں دوسرے رکوع میں یہ بتایا گیا کہ دراصل یہ قیامت کی گھڑی کو جھٹلا چکے ہیں' اور ایسے ہی لوگوں کے لیے ہم نے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے' ورنہ اللہ تو اس پر قادر ہے کہ وہ آپؐ کے لیے باغات اور محلات آراستہ کر دیتا۔ لیکن یہ اس کا طریقہ اور سنت نہیں ہے۔ پھر حضور ﷺ سے فرمایا گیا کہ ہم نے آپ سے پہلے بھی جتنے رسول بھیجے وہ سب کھاتے پیتے بھی تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔ ہم نے انسانوں کو خبردار کرنے کے لیے ہمیشہ انسان ہی بھیجے ہیں' البتہ ہم نے بعض کو بعض کے لیے آزمائش بنا دیا ہے۔

تیسرے رکوع کی ابتدا ان الفاظ سے ہو رہی ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰی رَبَّنَا﴾ (آیت ۲۱)

''اور کہا ان لوگوں نے جنہیں ہماری ملاقات کی اُمید نہیں ہے کیوں نہیں نازل کیے گئے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے ربّ کو؟''

اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ انہوں نے بڑا استکبار اور گھمنڈ کیا ہے اور سرکشی میں یہ بہت دور نکل گئے ہیں۔ جس روز یہ فرشتوں کو دیکھیں گے وہ مجرموں کے لیے خوشی کا دن نہیں ہوگا اور وہ پکار اٹھیں گے کہ خدا کی پناہ!

آیت ۲۳ میں یہ مضمون آیا ہے کہ جو لوگ نیک اعمال دُنیوی شہرت اور دکھاوے کے لیے کرتے ہیں اللہ کی نگاہ میں ان کا کوئی وزن نہیں ہے۔ ہم ان کے اعمال کی طرف متوجہ ہوں گے اور انہیں ایک ٹھوکر لگا کر اڑتی ہوئی خاک بنا ڈالیں گے۔ اسی رکوع میں یہ آیت بھی آئی ہے:

﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝﴾

اس آیت کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ قوم قریش کے بارے میں دنیا میں بھی حضور ﷺ کا اللہ کی جناب میں یہ شکوہ ہو کہ میری قوم نے تیری کتاب کو ترک کے رکھ دیا ہے۔ دوسرا مفہوم اس کا یہ بھی لیا گیا ہے کہ آخرت میں حضور ﷺ کی یہ فریاد ہوگی کہ میرے ماننے والوں نے میرے بعد اس کتاب کو پیٹھ دکھادی تھی۔

اس کے بعد ایک اعتراض نقل ہوا کہ یہ پورا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہیں اتار دیا گیا؟ بتایا گیا کہ یہ اس لیے کیا گیا ہے کہ ہم وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا قرآن نازل کر کے اس کے ذریعے آپؐ کا دل مضبوط کرتے رہیں۔ اس کے بعد کچھ انبیاء و رسل اور سابقہ قوموں کا ذکر ہوا ہے۔

اس رکوع کے آخر میں یہ بہت اہم آیت آئی ہے:

﴿اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝﴾

''(اے نبیؐ!) کیا آپؐ نے اُس شخص کے حال پر نظر کی جس نے اپنی خواہشاتِ نفس کو اپنا خدا بنا لیا ہے؟ کیا آپ اسے راہِ راست پر لانے کا ذمہ لے سکتے ہیں؟''

مزید فرمایا کہ یہ لوگ تو چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر۔

چوتھے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے تفصیل کے ساتھ اپنی نشانیاں اور اپنی قدرت بیان فرمائی ہے۔ آیت ۵۰ میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۡ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝﴾

''ہم نے اس (کتاب کے مضامین) کو دہرا دہرا کر ان کے سامنے بیان کر دیا ہے تا کہ یہ نصیحت حاصل کریں' لیکن اکثر لوگوں نے انکار اور ناشکری ہی کا رویہ اختیار کر رکھا ہے۔''

اس آیت کا موازنہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۴۱ سے کریں تو یہی مضمون وہاں نظر آتا ہے۔ اس کے بعد آیت ۵۲ میں واردشدہ یہ الفاظ نہایت اہم ہیں:

﴿فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝﴾

"تو آپ ان کافروں کی بات ہرگز نہ مانیے' اور ان کے ساتھ جہاد کیجیے اس قرآن کے ذریعے بہت بڑا جہاد"

معلوم ہوا کہ دعوت و تبلیغ اور تربیت و تزکیہ کے مرحلے پر جہاد کے لیے اصل ہتھیار قرآن ہے' جبکہ اللہ کی راہ میں سربکف ہو کر میدانِ کارزار میں نکلنے کے مرحلے پر مؤمن کا ہتھیار تلوار ہے۔

اس سورۂ مبارکہ کا آخری رکوع ہمارے منتخب نصاب میں بھی شامل ہے۔ اس رکوع میں ایک مردِ مؤمن کی شخصیت کے اعلیٰ اوصاف بیان ہوئے ہیں' جنہیں "عباد الرحمٰن" کے اوصاف کہا گیا ہے۔ وہ جب زمین پر چلیں تو آہستگی کے ساتھ چلتے ہیں۔ جاہل اور اجڈ لوگوں کے ساتھ الجھتے نہیں ہیں۔ وہ اپنے رب کے لیے اپنی راتیں عبادت میں کھڑے ہو کر اور سجدوں میں گزارتے ہیں۔ گڑگڑا کر اپنے رب سے جہنم سے نجات کی دعائیں مانگتے ہیں۔ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ تو اسراف کرتے ہیں اور نہ ہی بخل سے کام لیتے ہیں' بلکہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔ اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں پکارتے ہیں۔ نہ کسی جان کو ناحق قتل کرتے ہیں اور نہ زنا کرتے ہیں۔ نہ تو جھوٹی گواہی دیتے ہیں اور نہ ہی جھوٹے کام پر اپنی موجودگی گوارا کرتے ہیں۔ اگر کسی لغویات کے پاس سے ان کا گزر ہو جائے تو اپنا دامن بچاتے ہوئے باعزت طریقہ سے گزر جاتے ہیں۔ جب اُن کو ان کے رب کی آیات کے حوالہ سے یاددہانی کرائی جاتی ہے یا نصیحت کی جاتی ہے تو اس پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گر پڑتے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے رب ہمیں اپنی بیویوں اور اولاد کے ذریعے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقیوں کا امام بنا دے! یعنی ہمارے پیچھے چلنے والے لوگوں کو متقی بنا دینا۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کو ان کے صبر کی جزا کے طور پر (انہوں نے دنیا میں جو صبر کی روش اختیار کی تھی) جنت کے بالاخانے ملیں گے' جہاں سلام اور دعاؤں کے ساتھ ان کا استقبال کیا جائے گا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہیں گے۔

سورۃ الشُّعراء

یہ سورۂ مبارکہ گیارہ رکوعوں پر مشتمل ہے جن میں سے آٹھ رکوعوں میں اولوالعزم پیغمبروں کا ذکر آیا ہے۔ ان پیغمبروں نے اپنی قوموں کے سامنے دعوت پیش کی' انہوں نے اس دعوت کو رد کیا جس کی پاداش میں وہ ہلاک ہوئیں۔ سورۃ الاعراف کی مانند یہاں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات تین رکوعوں پر مشتمل ہیں' جبکہ حضرات ہود' صالح' ابراہیم' لوط اور شعیب علیہم السلام کے حالات کا بیان ایک ایک رکوع میں ہوا ہے۔ ہر رسول کے حالات و واقعات کے تذکرے کے اختتام پر یہ دو آیتیں بار بار آئی ہیں: ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَمَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ وَاِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ○﴾ "یقیناً اس میں بہت بڑی نشانی ہے مگر ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے۔ اور اے نبیﷺ! یقیناً آپ کا ربّ وہی ہے جو عزیز بھی ہے رحیم

بھی ہے''۔ یعنی یہ لوگ جو ہر وقت معجزات طلب کرتے ہیں تو ان کو آفاق اور انفس میں پھیلی ہوئی اللہ کی نشانیاں کیوں نظر نہیں آتی ہیں؟ یہ تمام اقوام وہ ہیں جن کے حالات اہل عرب کو معلوم تھے' کیونکہ یہ قومیں عرب کے اطراف ہی میں آباد تھیں۔

سورۃ الشعراء کے بارے میں یہ بات نوٹ کر لیجیے کہ تعدادِ آیات کے اعتبار سے یہ سب سے بڑی مکی سورت ہے۔ قرآن مجید کی سب سے بڑی سورت سورۃ البقرۃ ہے' جس کے ۴۰ رکوع اور ۲۸۶ آیات ہیں۔ حجم کے اعتبار سے سب سے بڑی مکی سورت سورۃ الاعراف ہے' جس کے ۲۴ رکوع اور ۲۰۶ آیات ہیں' کیونکہ اس کی آیات طویل ہیں۔ سورۃ الشعراء کی آیات چھوٹی چھوٹی ہیں اور تعدادِ آیات ۲۲۷ ہے۔

سورۃ الشعراء کا آغاز حروف مقطعات "طٰسٓمّٓ" سے ہوتا ہے۔ 'ط' کے بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ یہ حرف سانپ کی شکل میں لکھا گیا ہے' جیسے ایک پھنیر سانپ نے اپنا پھن اٹھایا ہوا ہو اور نیچے کنڈلی ماری ہوئی ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سب سے بڑا معجزہ یہی تھا کہ ان کا عصا سانپ کی شکل اختیار کر لیتا تھا۔ اس حرف (ط) سے شروع ہونے والی سورتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس معجزہ کا مفصل ذکر ہے۔ سورۂ مبارکہ کا آغاز ہوتا ہے:

﴿طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ③﴾

''طٰسٓمّٓ۔ یہ کتابِ مبین کی آیات ہیں۔ (اے نبیؐ) شاید آپ اپنے آپ کو (اس رنج اور صدمے سے) ہلاک کر لیں گے کہ یہ ایمان نہیں لا رہے!''

نبی اکرم ﷺ اپنی قوم کی ضلالت و گمراہی' ضد اور ہٹ دھرمی دیکھ کر نہایت رنجیدہ اور غمگین ہوتے تھے۔ چنانچہ سورۂ مبارکہ ابتدا ہی اس حوالہ سے کی گئی۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو ہم ان کے لیے ایسی نشانیاں اتار دیں کہ ان کی گردنیں جھک کر رہ جائیں اور پھر یہ کچھ بھی نہ کہہ سکیں۔ بڑی سے بڑی نشانی دکھا دینا ہمارے اختیار میں ہے' لیکن یہ ہماری حکمت میں نہیں ہے۔ ہمارا فیصلہ ہے کہ آپ کی دعوت اسی قرآن کے ذریعہ سے پھیلے۔ معجزوں اور نشانیوں کے بجائے لوگ اپنی باطنی بصیرت کو کام میں لائیں اور عقل سے حقیقت کو پہچانیں۔ اس اعتبار سے قرآن مجید ہی آپؐ کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔

دوسرے رکوع سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے۔ دوسرے اور تیسرے رکوع میں حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا جو مکالمہ آیا ہے وہ بہت دلچسپ ہے۔ تین رکوع حضرت موسیٰؑ کے حالات پر مشتمل ہیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہوا ہے' لیکن سورۂ ہود اور سورۃ الحجر کے برعکس یہاں ان کا ذکر حضرت لوط علیہ السلام کے ذکر کے تابع ہو کر نہیں بلکہ آزادانہ (independently) آیا ہے۔ یہاں بھی اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم پر کوئی عذاب نازل ہوا ہو۔ یہ کوئی بڑی مستثنیٰ سی بات معلوم ہوتی ہے۔ تین اقوام حضرت ابراہیمؑ سے پہلے اور تین آپ کے بعد عذابِ الٰہی کا شکار ہوئیں اور تباہ

و برباد کردی گئیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی قوم نے بھی آپؑ کی دعوت رد کی اور آپ وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے' لیکن ان کی قوم کا حشر کیا ہوا اس کا قرآن حکیم میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ جب آپؑ اپنی قوم سے معاملہ کر رہے تھے تو آپؑ نے ان کے جھوٹے معبودوں کے بارے میں فرمایا:

﴿فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۝﴾

''سن لو یہ سب میرے دشمن ہیں۔ میرا دوست تو بس وہی ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے' جس نے مجھے پیدا کیا پس وہی مجھے ہدایت بھی دے گا''۔

انسان کو ہدایت دینا بھی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا لازمی تقاضا ہے۔ انسان اپنے آپ کو اُس کے قدموں میں لا کر ڈال دے' یعنی اس کے حوالے کر دے' پھر اسے انگلی پکڑ کر راہِ ہدایت پر چلانا اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مزید کہا:

''وہی ہے جو مجھے کھلاتا بھی ہے پلاتا بھی ہے۔ جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے۔ وہی ہے جو مجھے موت بھی دے گا پھر دوبارہ زندہ بھی کرے گا۔ اور وہی ہے جس سے مجھے بڑی اُمید ہے کہ وہ قیامت کے دن میری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا۔ (اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی) اے پروردگار! مجھے حکمت عطا فرما اور صالحین کے ساتھ ملا دے۔ اور بعد میں آنے والوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ (کہ لوگ میرا نام اچھائی کے ساتھ یاد کریں) اور مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں شامل کر دے۔ اور میرے والد کو بھی معاف کر دینا' یقیناً وہ گمراہوں میں سے تھا۔ اور مجھے اُس دن رسوا نہ کرنا جس دن سب اٹھائے جائیں گے''۔ (آیات ۷۹۔۸۷)

یہ خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا ہے۔ ہدایت بھی طلب کر رہے ہیں اور خطاؤں سے معافی کے بھی طلب گار ہیں۔ اپنے آپ کو خطاؤں سے مبرّی نہیں سمجھ رہے ہیں۔

اس کے بعد ایک ایک رکوع میں حضرات نوح' ہود' صالح' لوط اور شعیب علیہم السلام کا ذکر ہے اور آخری رکوع میں محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہو رہا ہے:

''اے نبیؐ! یہ قرآن ربّ العالمین کا نازل کردہ ہے۔ اس کو روح الامین نے (ہمارے حکم سے) عربی مبین میں آپؐ کے قلب پر اتارا ہے' تاکہ آپ خبردار کرنے والوں میں ہو جائیں۔ اور اس کا ذکر اگلے صحیفوں میں بھی ہے......'' ''اور اس قرآن کو (ان کے کہنے کے مطابق) شیاطین (یا جنات) لے کر نہیں اترے۔ وہ نہ اس قابل ہیں اور نہ ان کے اندر یہ استطاعت ہے۔ ان کو تو وحی کی سماعت سے بھی روک دیا گیا ہے۔ پس آپ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو مت پکارنے لگنا ورنہ آپ بھی مبتلائے عذاب کیے جانے والوں میں ہو جائیں گے۔ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کیجیے اور ان اہل ایمان کے لیے جو آپ کا اتباع کر رہے ہیں اپنے بازوؤں کو جھکا کر رکھیے۔ اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو اُن سے اعلانِ براءت فرما دیجیے۔ اور توکل کیجیے اُس خدا پر کہ جو زبردست

کے لیے طاقتور لوگوں کا ایک گروہ درکار ہوتا تھا۔ اگرچہ یہ بنی اسرائیل میں سے تھا' لیکن اپنی قوم کا غدار اور فرعون کے دربار میں اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھا۔ ایک دفعہ جب وہ اتراتا ہوا باہر نکلا تو اُس سے اس کی قوم نے کہا کہ اس طرح مت اتراؤ' اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ اور یہ جو مال اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کرو اور دنیا سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کرو۔ اور جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے تم بھی اوروں کے ساتھ احسان کرو اور ملک میں فساد برپا کرنے کا خواہاں نہ ہو' اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس پر قارون کہنے لگا کہ یہ مال و دولت تو مجھے میری ذاتی ہنرمندی اور علم کی وجہ سے ملا ہے۔

اُس کے اس جواب پر اللہ تعالیٰ کا تبصرہ یہ ہے:

''کیا اسے یہ علم نہ تھا کہ اس سے پہلے اللہ بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکا ہے جو اُس سے کہیں زیادہ قوت رکھتی تھیں اور ان کے پاس مال و دولت بھی اس سے زیادہ تھا؟ اور (جب اللہ کے عذاب کا کوڑا برستا ہے تو) مجرموں سے ان کے گناہوں کے بارے میں پوچھا بھی نہیں جاتا''۔ (آیت ۷۸)

بالآخر قارون کا جو عبرت ناک انجام ہوا اس کا ذکر بایں الفاظ کیا گیا:

﴿فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿٨١﴾﴾

''پس ہم نے قارون اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔ تو کوئی ایسی جماعت نہ تھی جو اللہ کے مقابلے میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود ہی اس قابل تھا کہ بدلہ لے سکے۔''

آخری رکوع کے آغاز میں یہ آیت آئی ہے:

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٨٣﴾﴾

''یہ آخرت کا گھر تو ہم نے ان لوگوں کے لیے مخصوص کر رکھا ہے جو دنیا میں نہ بڑائی چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا۔ اور اچھا انجام تو متقیوں ہی کے لیے ہے۔''

سورۂ مبارکہ کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا ہے:

﴿وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۣ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٨﴾﴾

''اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو ہرگز نہ پکارو۔ اُس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ ہر شے فنا ہونے والی ہے سوائے اُس کی ذات کے۔ اُسی کی حکومت ہے اور اُسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔''

❁❁❁

ہے' رحم فرمانے والا ہے۔ آپ اس کی نگاہ میں ہوتے ہیں جب آپ کھڑے ہوتے ہیں رات کے وقت' اور یہ جو آپ نمازیوں کے درمیان چلتے پھرتے ہیں۔ یقیناً وہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ کیا میں تمہیں آگاہ کروں کہ شیاطین کن پر اُترتے ہیں؟ (یہ پاک باز لوگوں پر نہیں اترتے بلکہ) اترتے ہیں ہر افترا پرداز گناہگار پر (جیسے مکھی گندگی پر بیٹھتی ہے)۔ کچھ سنی سنائی باتیں القا کر جاتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔ (یہ لوگ آپ کو شاعر اور قرآن کو شعر کہتے ہیں' حالانکہ) شعراء کی پیروی کرنے والے تو اکثر بدکردار لوگ ہوتے ہیں۔ (اس کے برعکس آپ کے پیروکار تو انتہائی باکردار اور اوصاف حمیدہ کے مالک ہیں۔) کیا تم نے شاعروں کو نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں سرگرداں ہوتے ہیں (اپنے کلام میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں) اور یہ کہ جو کچھ کہتے ہیں وہ کرتے نہیں (ان کے قول و فعل میں تو بڑا تضاد ہوتا ہے)۔ سوائے ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا اور انتقام لیا بھی تو اس کے بعد لیا جب ان پر ظلم کیا گیا۔ اور عنقریب ان ظالموں کو معلوم ہو جائے گا کہ انہیں کیسی جگہ لوٹ کر جانا ہے (اور وہ کس انجام سے دوچار ہوں گے۔)'' (آیات ۱۹۲۔۲۲۷)

سُورۃ النَّمل

سورۃ النمل سات رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اس میں پہلا رکوع کچھ تنظیمی مضامین پر مشتمل ہے۔ آغاز حروف مقطعات ''طٰسٓ'' سے ہو رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ① هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ② الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ③﴾

''طٰس۔ یہ قرآن حکیم اور کتابِ مبین کی آیات ہیں۔ ہدایت اور بشارت ہے اہل ایمان کے حق میں۔ وہ لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں' زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور یہی لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔''

آگے فرمایا کہ اس کے برعکس جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ہم ان کے لیے ان کے اعمال دنیا میں مزیّن کر دیتے ہیں اور پھر وہ اسی راستے پر اندھادھند چلتے رہتے ہیں۔ ان کے لیے بدترین سزا ہے اور آخرت میں یہی لوگ سب سے زیادہ خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے۔ اور اے نبیؐ! یہ قرآن جو آپ کو دیا جا رہا ہے ایک حکیم اور علیم ہستی کے پاس سے آ رہا ہے۔

اس کے بعد رکوع کا کچھ حصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر پر مشتمل ہے۔ اس ضمن میں آخری آیت بہت اہم ہے' جس میں فرعون اور آلِ فرعون کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

الْمُفْسِدِيْنَ﴿۱۴﴾

''اور انہوں نے (موسیٰؑ کی رسالت اور ان کے معجزات کا) انکار کیا ظلم اور تکبر کے مارے‘ حالانکہ ان کے دل اس کے قائل ہو چکے تھے۔تو دیکھ لو کہ کیا انجام ہوا ان مفسدوں کا!''

اگلے دو رکوعوں میں حضرات داوٗد و سلیمان علیہما السلام کا ذکر آیا ہے اور خصوصاً حضرت سلیمانؑ اور ملکہ سبا کا واقعہ تفصیل سے بیان ہوا ہے۔قرآن حکیم جو واقعات بیان کرتا ہے ان کا تذکیری پہلو خاص طور سے اُجاگر کرتا ہے۔مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام جب اپنے لشکر کے ساتھ چیونٹیوں کی ایک وادی میں پہنچے اور ایک چیونٹی نے کہا کہ چیونٹیو! اپنے اپنے سوراخوں میں گھس جاؤ‘ کہیں حضرت سلیمان کا لشکر تمہیں کچل نہ دے‘ تو وہ متبسّم ہوئے کہ انہوں نے چیونٹیوں کی بات کو سمجھ لیا اور فوراً بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ پروردگار مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیرا شکر ادا کرسکوں اُن انعامات پر جو تو نے مجھے اور میرے والد کو عطا فرمائے اور میں نیک عمل کرسکوں کہ جن سے تو راضی ہو جائے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما!

پھر جو خط حضرت سلیمان علیہ السلام کی جانب سے ملکہ سبا کو بھیجا گیا تھا‘ اس کے بارے میں ملکہ اپنے دربار میں اپنے سرداروں سے مخاطب ہو کر بتارہی ہے کہ مجھ پر ایک بہت باعزت خط ڈالا گیا ہے۔یہ خط سلیمانؑ کی جانب سے ہے اور اس کا آغاز اللہ کے نام سے ہے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ملکہ سبا کے فہم کا اندازہ اُس کی اس بات سے ہوتا ہے جو اُس نے اہل دربار سے کہی کہ جان لو‘ بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کے اندر فساد برپا کرتے ہیں‘ اس کے نظام کو درہم برہم کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت داروں کو نیچا کر دیتے ہیں۔یہ ایک بہت ہی اہم سیاسی ضابطہ ہے کہ جب بھی کوئی حاکم قوم محکوم قوم کو دبانے کے لیے آتی ہے تو قوم کے اعلیٰ طبقات کے افراد کو ذلیل کرتی ہے اور گھٹیا لوگوں کو اُبھارتی ہے۔پھر حضرت سلیمانؑ نے ملکہ کا تخت اٹھوا لیا جو پلک جھپکنے سے پہلے آپ کے پاس پہنچ گیا۔اس پر بھی آپ نے فوراً اپنے رب کی تعریف اور بزرگی بیان کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کیا اور ملکہ نے حضرت سلیمانؑ کی اطاعت قبول کرلی۔

اگلے رکوع میں حضرت صالح اور حضرت لوط علیہما السلام کا ذکر ہوا۔اس کے بعد مکی سورتوں کے اسلوب کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور بہت سی نشانیوں کا ذکر فرمایا اور کفارِ مکہ کی کٹ حجتی اور ضد بیان فرمائی کہ ان سب چیزوں کو دیکھتے ہوئے بھی یہ راہِ راست پر آنے کے لیے تیار نہیں۔ان کو مُردوں سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا کہ ﴿اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی﴾''یقیناً آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے''۔ پھر قیامت کے روز ان کا جو انجام ہوگا اُس کا ذکر کیا گیا۔

آخری حصہ میں رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا کہ آپ ان سے کہہ دیجیے:

''مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس بستی (مکہ مکرمہ) کے ربّ کی بندگی کروں جس نے اس شہر کو محترم ٹھہرایا ہے اور جو ہر شے کا مالک ہے‘ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اُس کے فرمانبرداروں میں

سے بن جاؤں اور یہ قرآن پڑھ کر سناؤں۔ پھر جس نے ہدایت پائی تو اپنے بھلے کے لیے ہدایت پائی' اور جس نے گمراہی اختیار کی تو اُس سے کہہ دیں کہ میں تو بس ایک خبردار کر دینے والا ہوں۔ اور آپ ان سے کہہ دیں کہ تمام تر تعریف اللہ ہی کے لیے ہے' وہ عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا اور تم انہیں پہچان لو گے۔ اور تمہارا رب اُن اعمال سے بے خبر نہیں ہے جو تم لوگ کرتے ہو''۔ (آیات ۹۱۔۹۳)

سورة القَصَص

یہ سورۂ مبارکہ نو رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اس کے پہلے چار رکوعوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر پھر کافی تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ اس میں زیادہ تر واقعات جو آپؑ کے بچپن میں پیش آئے اور اس سے پہلے سورۂ طٰہٰ میں آ چکے ہیں' دوبارہ تفصیلاً بیان ہوئے ہیں۔ قرآن مجید کا اپنا ایک انداز ہے کہ مجرد اعادہ کہیں نہیں ہوتا بلکہ واقعات کے اندر نئے نئے پہلو خصوصاً تذکیر کے پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔ سورۃ الشعراء' سورۃ النمل اور سورۃ القصص یکے بعد دیگرے نازل ہوئی ہیں۔ اس لحاظ سے ان تینوں میں ایک قریبی تعلق یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے حالات و واقعات کے مختلف اجزاء ان سورتوں میں بیان ہوئے ہیں اور باہم مل کر ان کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ سورۃ الشعراء میں نبوت کا منصب ملنے کے حوالہ سے حضرت موسیٰ بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتے ہیں کہ قومِ فرعون کے ایک فرد کا قتل میرے ذمہ ہے جس کی وجہ سے میں ڈرتا ہوں کہ وہاں جاؤں گا تو قتل کر دیا جاؤں گا۔ آگے کی بات وہاں بیان نہیں ہوئی بلکہ اس سورۃ میں بیان ہوئی ہے۔ اسی طرح سورۃ النمل میں بات ایک دم یوں شروع ہوئی کہ حضرت موسیٰؑ اپنے اہل و عیال کو لے کر جا رہے تھے کہ اچانک انہوں نے ایک آگ دیکھی۔ اس سفر کی کوئی تفصیل اُس سورۃ میں بیان نہیں ہوئی بلکہ وہ اس سورۃ میں بیان ہوئی ہے۔ اس طرح یہ تینوں سورتیں مل کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات و واقعات کو مکمل کر دیتی ہیں۔ سورۂ مبارکہ کا آغاز ہوتا ہے:

﴿طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ②﴾

''ط س م۔ یہ کتابِ مبین کی آیات ہیں۔''

آگے فرمایا:

''ہم آپ کو پڑھ کر سنا رہے ہیں موسیٰ اور فرعون کے حالات حق کے ساتھ اُن لوگوں کے لیے جو ماننے والے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی اختیار کی تھی اور اس نے زمین میں بسنے والوں کو گروہوں میں منقسم کر دیا تھا' ایک گروہ کو اُس نے دبا کر کمزور کر رکھا تھا' اُن کے بیٹوں کو قتل کر دیتا تھا اور عورتوں کو زندہ رکھتا تھا۔ یقیناً وہ فسادیوں میں سے تھا۔ اور ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم اُن لوگوں پر احسان فرمائیں جو زمین میں دبا دیے گئے تھے اور انہی کو ہم امامت دے کر زمین کا

وارث بنا دیں''۔ (آیات ۳۔۵)

یہ پہلو جو اس سے پہلے اس طرح نہیں آیا اس سورۃ میں خاص طور پر نمایاں ہو کر آیا ہے۔ اِس دور کے حوالے سے بھی یہ ایک اہم بات ہے۔ معاشرہ کے اندر یہ طبقاتی تقسیم غلط نظام کی وجہ سے' خواہ سیاسی اعتبار سے غلط ہو یا معاشی اعتبار سے' پیدا ہو جاتی ہے' جو اس معاشرہ کی بدقسمتی کا بڑا سبب بنتی ہے۔ پھر حضرت موسیٰؑ کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پوری داستان کا یہ پہلو یہاں خاص طور پر بیان کیا گیا ہے کہ جب آپ اپنی جان بچا کر مصر سے نکلے اور پورا صحرائے سینا عبور کر کے مدین پہنچے تو وہاں وہ واقعہ پیش آیا کہ کنویں پر چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے اور دو بچیاں خوف کی وجہ سے دور کھڑی تھیں۔ آپ نے آگے بڑھ کر ان کی بکریوں کو پانی پلایا اور پھر درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔ وہاں آپ کی نہ تو کوئی جان پہچان تھی اور نہ ہی آپ کے پاس کوئی سرمایہ تھا' بالکل لاچاری کی کیفیت تھی۔ ایسے میں آپؑ نے اپنے رب سے جن الفاظ میں دعا کی وہ ہر شخص کو یاد کر لینے چاہئیں:

﴿رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ﴿۲۴﴾﴾

''پروردگار! تو میری جھولی میں جو خیر بھی ڈال دے میں اس کا محتاج ہوں۔''

یہ گویا ایک انسان کی احتیاج کی انتہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات و واقعات بیان کرنے کے بعد پانچویں رکوع میں فرمایا کہ یہ تو آپ کے رب کی رحمت ہے کہ ہم آپ کو ان تمام حالات سے مطلع کر رہے ہیں تا کہ آپ اُن لوگوں کو متنبہ کریں جن کے پاس آپؐ سے پہلے کوئی متنبہ کرنے والا نہیں آیا۔

پھر چھٹے رکوع میں اہل کتاب میں سے ایمان لے آنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس قرآن پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ایمان لانے سے قبل یہودی تھے۔ فرمایا:

> ''یہ وہ لوگ ہیں جن کو ان کی ثابت قدمی کی وجہ سے دُہرا اجر دیا جائے گا۔ وہ برائی کو بھلائی سے دور کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جب کوئی لغو بات سنتے ہیں تو نظر انداز کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں اور تمہارے لیے تمہارے عمل' تم کو سلام ہے' ہم جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔'' (آیات ۵۴۔۵۵)

اس کے بعد یہ آیت آئی ہے:

﴿اِنَّکَ لَا تَہۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَہُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُہۡتَدِیۡنَ ﴿۵۶﴾﴾

''(اے نبیؐ) آپ کے اختیار میں نہیں ہے کہ آپ جسے چاہیں ہدایت دے دیں' بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے' اور وہی ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔''

آٹھویں رکوع میں قارون کا ذکر آیا ہے جس کو اللہ نے اتنے خزانے عطا کیے تھے کہ ان کو اٹھانے